JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 16, Issue: 02, January – Jun 2023

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

اختلافِ رائے، حدودو آداب اور نصوص شرعیہ سے حل

Disagreement, boundaries and manners and solutions with Sharia text

Muhammad Asif Haroon *

Lecturer Islamic Studies,

Govt. Graduate College Civil Lines, Sheikhupura

Muhammad Hammad Atta **
PHD Scholar, Institute of Islamic Studies,

University of the Punjab

ABSTRACT

Any society exists with human beings. People living in society have different ways of thinking, understanding, evaluating, knowing, seeing, and judging based on cognitive and intellectual differences. It is natural for them to differ in their opinion on anything based on this difference. Every day, we witness that the opinions of people in the same place and doing the same work sometimes differ. Difference of opinion is a natural elixir but the question is, can we impose our opinion on others? Are there any limits and restrictions to the difference of opinions or not? What manners should be kept in mind in when we make a difference of opinion? What are our social attitudes towards differences of opinion and what guidance does Islam give us in this regard? In this paper, an attempt will be made to answer these questions through the narrative method of research.

Keywords: *Disagreement, boundaries, manners, solutions.*

تمہید

کسی بھی معاشرے کا وجود انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ معاشرے میں رہنے والے افراد کے علمی و عقلی تفاوت کی بنیاد پر سوچنے، سمجھنے، جانچنے، معلوم کرنے، دیکھنے اور پرکھنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ اس اختلاف کی بنیاد پر کسی بھی چیز کے بارے ان کی رائے میں اختلاف ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ ہم اپنی زندگی میں اکثر یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ اکٹھے ایک ہی جگہ اور ایک ہی کام کرنے والوں کی رائے بھی بعض دفعہ مختلف ہو جاتی ہے۔ رائے کا اختلاف ایک قدرتی امر ہے جو بعض اوقات انسانوں کے لیے خیر وبرکت یا کسی معاملے میں آسانی کا ذریعہ بنتا ہے تو کبھی کئی مصائب اور لڑائی جھگڑوں کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس بات کو جاننے کی کوشش کریں گے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم میں اختلافِ رائے کی کیا نوعیت تھی؟ رائے کے اختلاف کی دینی و دنیاوی انواع کون کون سی ہیں؟ اختلافِ رائے کے حدود و آداب کیا ہیں اور اس میں کمی کس طرح لائی جاسکتی ہے؟

1. اختلافِ رائے

یہ لفظ "اختلاف" اور لفظ "رائے" کا مرکب ہے۔ اختلاف کا لفظ "خ،ل،ف" سے ماخوذ ہے۔ یہ باب افتعال کا مصدر ہے جبکہ اس کا لغوی معنی "مختلف ہونا، باہم فرق ہونا" ہے[1]۔ کسی کی باتوں یا احول سے الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف کہا جاتا ہے[2]۔ رائے کا لفظ "رَآهُ یَرَاهُ" باب "فَتَحَ یَفْتَحُ" سے مصدر ہے جس کے دو مصادر آتے ہیں۔ اگر اس کا مصدر "رُؤْيَةً" آئے تو مطلب دیکھنا ہوتا ہے اور اگر اس کا مصدر "رَأْيًا" آئے تو اس کا مطلب "رائے رکھنا، اعتقاد و گمان کرنا، مناسب سمجھنا، خیال، تجویز، تدبیر، غور و فکر، مشورہ اور نصیحت" ہوتا ہے[3]۔ یہاں اس سے یہی دوسرا مطلب مراد لیتے ہوئے اس لفظ "رائے" کو زیر بحث لایا جائے گا۔ گویا کہ اختلافِ رائے سے مراد "رائے، گمان، تجویز، غور و فکر، تدبر اور مشورہ وغیرہ" کا باہمی فرق ہے۔

2. اختلافِ رائے کے میدان

اختلافِ رائے کے بارے غور کیا جائے تو اس کے بنیادی طور پر دو مجال، دینی اور دنیاوی ہیں۔ دینی مجال (میدان) میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نا صرف اختلافِ رائے کی اجازت عنایت فرمائی بلکہ انسانوں کو مکمل اختیار سے نوازا ہے کہ وہ اپنی مرضی کا دین اور طرزِ زندگی اختیار کرلیں۔ دعوتِ دین کا سلسلہ اگرچہ تاقیامت جاری وساری رہے گا البتہ کسی کو بھی کسی ایک دین کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"[4] دین (قبول کرنے) میں کوئی سختی نہیں ہے۔

دین اسلام جب دین اور اعتقاد جیسی اہم چیز اختیار کرنے میں لوگوں کو اختلافِ رائے کی اجازت دیتا ہے تو باقی معاملات میں بھی اختلافِ رائے کی خاص حد تک اجازت دیتا ہے۔ اپنی رائے کا دوسرے لوگوں کے سامنے اظہار تو کیا جاسکتا ہے، ان کو دعوت بھی دی جاسکتی ہے لیکن کسی دوسرے پر اپنی رائے کو زبردستی مسلط نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح دنیاوی معاملات میں بھی ایک دوسرے سے اختلافِ رائے ہو سکتا ہے لیکن اپنی رائے کو حتمی سمجھتے ہوئے دوسروں پر مسلط نہیں جاسکتا، کیونکہ ہر انسان کے دیکھنے، سوچنے و سمجھنے کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ ذیل کی سطور میں عہد نبوی صلاۃ اللہ علیہ میں اصحاب النبی رضوان اللہ علیہم

اجمعین کی جانب سے اختلافِ رائے کے واقعات کو ذکر کرتے ہوئے اس وضاحت کی کوشش کریں گے کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ و التسلیم نے بھی نا صرف اپنے صحابہ کو اختلافِ رائے کی گنجائش دی بلکہ کئی مواقع پر اپنی رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے ان کی رائے کو قبول کیا۔

3. عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اختلافِ رائے

دین اسلام ایک دین فطرت ہے جو انسانوں کے مزاج اور ان کی طبیعت کا لحاظ کرتا ہے۔ اسی لیے دین اسلام انسان کی فطری حاجات کی گنجائش دیتا ہے۔ انسانوں میں کسی بھی چیز کے بارے اختلافِ رائے کی فطرت کے باعث شریعتِ اسلامیہ نے اس کی گنجائش رکھی ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلافِ رائے مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود بھی انسانوں کو اختلافِ رائے کی گنجائش دی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:" وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ "[5] کام میں ان سے مشورہ کیجئے[6]۔ اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے کے حکم کے ساتھ اس امر کی تائید کرتے ہوئے اس عمل کو قرآن مجید میں ذکر بھی کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ "[7] اور ان کا (ہر) معاملہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے[8]۔ ان دونوں آیات سے مشورہ کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ جب مشورہ کیا جائے گا تو ایک سے زائد اور مختلف آراء سامنے آئیں گی جن میں سے کسی ایک پر ہی فیصلہ ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام میں رائے کے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ اس اختلاف کا دائرہ کار کے بارے آئندہ صفحات میں ذکر کیا جائے گا۔

3.1. سرِعام تبلیغ دین کے بارے اختلاف

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بعض معاملات میں ان کی رائے طلب کرتے۔ کئی مواقع ایسے بھی آئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی رائے سے نا صرف اختلاف کا حق دیا بلکہ ان کی بات بھی تسلیم کی۔ بعض دفعہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی رائے کے خلاف بھی کام کرنے کی اجازت دی جیسا کہ مکہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سرِعام دعوتِ اسلام کے لیے اصرار کرنے کا واقعہ ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ "البداية و النهاية" میں نقل کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں: جب نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعداد اڑتیس (38) ہونے پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان دعوت کے لیے اصرار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر! ہماری تعداد ابھی کم ہے۔ لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دینے کے لیے باہر تشریف لے آئے۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد الحرام کے کونوں میں اپنے اپنے قبیلہ والوں کے پاس چلے گئے۔ امام الانبیاء کی موجودگی میں ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان تقریر کے لیے کھڑے ہوئے۔ یوں خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ وہ پہلے خطیب تھے جنہوں نے دینِ اسلام کی اعلانیہ دعوت پیش کی۔ مشرکین مکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمانوں پر پل پڑے اور مسجد کے مختلف کونوں میں انہیں خوب مارا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خوب روندا اور زدوکوب کیا گیا۔ ایک بدبخت عتبہ بن

ربیعہ ان کے قریب ہو کر ان کے چہرے پر اپنے جوتوں سے مارنے لگا اور ان کے پیٹ پر حملہ آور ہوا۔ انہوں نے ان کو اس قدر مارا پیٹا کہ ان کا چہرہ سوج گیا۔ ابو تیم (جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا) کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ انہوں نے مشرکین کو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہٹایا اور انہیں ایک کپڑے میں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ جب ان کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی موت کا یقین ہونے لگا تو بنو تیم کے لوگ مسجد الحرام میں آئے اور انہوں نے یہ منادی کی کہ اگر ابو بکر کو کچھ ہو گیا تو وہ عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے "[9]۔

اس واقعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت قلت تعداد کی بنا پر علی الاعلان دعوت کا ارادہ نہیں تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے مختلف رائے پیش کی اور اس پر اصرار بھی کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں کچھ معاملات میں اختلافِ رائے کی گنجائش موجود ہے۔

3.2. تابیر نخل کے اختلاف کا واقعہ

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی "الجامع الصحیح" میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"قَالَ: قَدِمَ نَبِيُّ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَأْبُرُوْنَ النَّخْلَ يَقُوْلُوْنَ يُلَقِّحُوْنَ النَّخْلَ، فَقَالَ: مَا تَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا:كُنَّا نَصْنَعُهُ، قَالَ: لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَفَضَتْ أَوْ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا أَنَا بَشَر إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّن رَّأْيِيْ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَر"[10]

انہوں نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ کھجور کے پھل کے حصول کے لیے اس کی تابیر کرتے تھے جسے تابیر النخل[11] کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم ایسے ہی پھل حاصل کرتے ہیں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرو تو یہ اچھا ہو تا۔ مدینہ کے کسانوں نے یہ عمل چھوڑ دیا تو کھجور کی پیداوار کم ہو گئی۔ (راوی کہتے ہیں کہ) کھجور کے کاشتکاروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیداوار کی کمی کا بتایا تو آپ سلام اللہ علیہ نے فرمایا: جب میں تمہیں تمہارے کسی دینی معاملے کے بارے کوئی حکم دوں تو اس کو لے لو (یعنی اس حکم کی تعمیل کرو) اور جب میں تمہیں کسی معاملے میں اپنی رائے کی بنیاد پر کوئی حکم دوں تو میں بھی انسان ہوں (یعنی اس حکم پر عمل کرنے میں لوگوں کو اختیار ہو گا)۔

اس حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دنیاوی امور میں ایک حد تک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے اختلاف کی امتیوں کے پاس گنجائش موجود ہے۔ لیکن یہ گنجائش دنیاوی امور میں ہے شریعت کے احکام میں اس کی گنجائش موجود نہیں۔

3.3. جگہ کے انتخاب کے بارے رائے کا مختلف ہونا

غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قریب ترین چشمے پر عشاء کے وقت پڑاوڈالا تا کہ مشرکین مکہ کو بدر کے چشمے پر مسلط نہ ہونے دیں، اس موقعہ پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے ایک جنگی ماہر کے طور پر اپنے سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس مقام پر نازل ہونے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ جس میں ہمارے لیے گنجائش نہیں یا اس جگہ پڑاو ایک جنگی حکمت عملی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: یہاں پڑاو محض جنگی حکمتِ عملی ہے۔ انہوں نے عرض کی: "اس جگہ کی بجائے آگے بڑھ کر قریش کے قریبی چشمے پر پڑاوڈالتے ہوئے اس پر قبضہ کر کے باقی چشمے پاٹ دیں۔ اس طرح دورانِ لڑائی ہمارے پاس پانی ہو گا اور قریش پانی سے محروم رہیں گے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے بہت مناسب مشورہ دیا ہے۔ اس کے بعد آدھی رات کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر سمیت دشمن کے قریب ترین چشمہ پر پہنچ کر پڑاوڈالا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے گرد حوض بنا کر باقی تمام چشمے بند کر دیے[12]۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے نا صرف اپنے صحابی کو اپنی رائے سے اختلاف کرنے دیا بلکہ ان کی رائے کو بہتر سمجھتے ہوئے اس پر عمل بھی کیا۔

3.4. غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے اختلاف

اسیر انِ بدر کے متعلق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشاورت کی تو اس موقع پر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں تھوڑا سا رائے کا اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ تھا کہ یہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں، فدیے کے عوض چھوڑ دیے جائیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں اسلام کے مسئلہ میں دوست، عزیز و اقارب اور قریب و بعید کا لحاظ نہیں۔ یعنی ان کے خیال میں یہ بات تھی کہ اسلام کے مقابلے میں ان چیزوں کی بنیاد پر کسی کو گنجائش نہیں دینی چاہیے۔ اس لیے انہوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیئے جائیں اور مہاجرین اپنے اپنے عزیز کو خود قتل کریں[13]۔ اس سے بھی عہد نبوی میں اختلافِ رائے کی گنجائش کا علم ہوتا ہے۔

3.5. غزوہ احد میں میدان جنگ کے بارے اختلاف

غزوہ احد کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو کفارِ مکہ کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو ان سے مقابلہ کے متعلق مسلمانوں کے سپہ سالار جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشاورتی مجلس بلائی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بار مدینہ میں رہتے ہوئے کفارِ مکہ کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر وہ مدینہ کا گھیراؤ کریں گے تو اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور اگر انہوں نے مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کی تو ہم مدینہ کی گلیوں میں ان کا مقابلہ کریں گے اور خواتین گھروں کی چھتوں سے ان پر سنگ / خشت باری کریں گی۔ اس طرح ان کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ لیکن غزوہ بدر میں شرکت نہ کرسکنے والے مسلمانوں کی جماعت نے اصرار کیا کہ مدینہ کی آبادی سے باہر نکل کر کھلے میدان میں لڑائی کی جائے۔

ان کے اصرار کو دیکھتے ہوئے خاتم النبیین علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی رائے کو ترک فرمادیا اور باہر نکل کر معرکہ آرائی کا فیصلہ ہوا[14]۔ یہ واقعہ بھی رائے میں اختلاف کی گنجائش پر دلالت کرتا ہے۔

3.6. نماز عصر کی ادائیگی میں اختلاف

جب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب سے واپس آکر بنو قریظہ کی طرف گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عصر کی نماز بنو قریظہ میں ادا کرنے کا حکم دیا۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نماز کی ادائیگی کے بارے کچھ اختلاف ہوا۔ بعض صحابہ نے راستے میں ہی نماز ادا کرلی اور کچھ نے بنو قریظہ میں جاکر نماز ادا کی۔ یہ بات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سرزنش نہیں کی۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "الجامع الصحیح" میں نقل کیا ہے:

"عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمْ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذَلِكَ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ"[15]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ احزاب والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک عصر کی نماز لازماً بنو قریظہ میں ادا کرے۔ راستے میں ہی عصر کا وقت ہو گیا تو بعض نے کہا کہ ہم تو ان کے ہاں جاکر ہی نماز ادا کریں گے اور بعض نے کہا کہ ہم ادھر راستے میں ہی نماز ادا کرلیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مراد نہیں لیا تھا۔ جب یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی گئی تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے کسی کی سرزنش نہیں کی۔

اس حدیث مبارکہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی بعض معاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے مختلف ہو جاتی تھی۔ لیکن اگر رائے میں اختلاف کی گنجائش ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت مراحمت فرمادیتے تھے۔

3.7. رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھانے پر اختلاف

جب عبداللہ بن ابی ابن سلول فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو کہ سچے مسلمان تھے وہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے آکر آپ ﷺ سے اپنے والد کا جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ علیہ السلام اس کا جنازہ پڑھانے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی رائے سے اختلاف فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ قَمِيصَهُ يُكَفِّنُ فِيهِ أَبَاهُ

فَأَعْطَاهُ ثُمَّ سَأَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ بِثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تُصَلِّي عَلَيْهِ وَقَدْ نَهَاكَ رَبُّكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللَّهُ فَقَالَ:{ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً}[16]، وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ قَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ}[17][التوبة: 84]"[18]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب عبد اللہ بن ابی فوت ہوا تو اس کا بیٹا حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا کرتا مانگا کہ اس میں اپنے والد کو دفن کر سکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دے دیا۔ پھر انہوں نے نبی مکرم علیہ الصلاۃ والسلام سے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانے کی بھی التجا کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اس کے جنازہ کی امامت کروائیں گے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روکا ہے؟ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس چیز کا اختیار دیا ہے کہ "آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں، چاہیں آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں"[19] میں ستر مرتبہ سے زائد دفعہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو منافق ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھا دی تو یہ آیت نازل ہوئی: "ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھانا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا"[20]۔

تفسیر ابن کثیر میں مروی ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہو گئے تو میں صف سے نکل کر آپ علیہ الصلاۃ والتسلیم کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ تعالیٰ کے دشمن عبد اللہ بن ابی کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ فلاں دن اس نے یوں کہا اور فلاں دن یوں کہا اور اس کی وہ تمام باتیں دہرائیں۔ آپ مسکراتے ہوئے سب سنتے رہے اور آخر میں فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ مجھے چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے استغفار کا اختیار دیا ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار سے ان کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں تو میں یقیناً ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ بھی پڑھائی، جنازے کے ساتھ بھی چلے اور دفن کے وقت بھی موجود رہے[21]۔ ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے نماز جنازہ پڑھانے سے اختلاف کیا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے

ان کو کے اختلاف رائے سے منع نہیں کیا بلکہ نماز جنازہ پڑھانے کی اپنی رائے کی توجیہ بیان کی۔ درج بالا واقعات سے ہمیں عہد نبوی میں اختلافِ رائے کرنے کی گنجائش کا علم ہوتا ہے۔

4. دینی معاملات میں اختلافِ رائے کی حدود

گزشتہ صفحات میں یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ اختلافِ رائے کے دو مجال دینی و دنیاوی ہیں۔ دینی طور پر اس کی مزید تقسیم کی جائے تو اس کی درج ذیل اقسام بنتی ہیں۔

ا۔ کفر و ایمان کا اختلاف، ۲۔ اعتقادی اختلاف، ۳۔ فقہی معاملات میں رائے کا اختلاف

اب ان میں سے ہر ایک کے بارے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آداب اور حدود کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

4.1. کفر و ایمان کا اختلاف

اولوالعزم پیغمبروں میں سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق ان کی قوم وہ پہلی قوم تھی جس نے اعلانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے اور پانچ افراد کے بت بنا کر ان کی پرستش شروع کی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ نوح میں فرماتے ہیں"

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَ اتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا "[22]

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو پہنچانے کی ذمہ داری سونپی ہے جیسا کہ رب العالمین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: " فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ"[23] آپ کے ذمہ صرف بات پہنچانا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ سید ولد آدم، خاتم النبیین اور امام الانبیاء ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بات منوانے کا اختیار نہیں دیا گیا اور نا ہی کسی کو زبردستی ہدایت دینا ہی آپ صلاۃ اللہ علیہ والتسلیم کے دائرہ اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"

إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ"[24]

یہاں ہدایت بمعنی توفیق ہے کہ نبی رحمت بھی کسی کو اپنی رائے کے مطابق اسلام کی قبولیت کی توفیق نہیں دے سکتے۔

ان آیات کے پیشِ نظر یہ بات سامنے آتی ہے کہ کوئی انسان کسی بھی دین یا مذہب کو قبول کرے اور اس بارے کوئی بھی رائے اختیار کرے یہ اس کی مرضی ہے اور اس مسئلہ میں اس کو دوسروں سے اختلافِ رائے کا مکمل حق حاصل ہے۔

4.2. اعتقادی اختلاف

اس سے مراد ایک ہی دین کی پیروی کرنے والے افراد کے مختلف گروہوں کا باہمی اختلاف ہے۔ جیسے مسیحی مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق تین گروہوں کے اعتقادی اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ سورت مریم میں

فرمان الٰہی ہے:"فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ"[25] اس اختلاف کی وضاحت فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:" لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ"[26] یہاں اللہ تعالیٰ نے مسیحیوں کے ایک گروہ کا عقیدہ بیان کیا ہے جو نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام کو ہی اللہ تعالیٰ قرار دیتے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ "[27] اس آیت کریمہ کے مطابق مسیحیوں کے ایک گروہ نے اللہ تعالیٰ کو تین میں سے تیسرا قرار دیا۔ یہ گروہ تین میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں۔ تیسرے عقیدہ کو بیان کرتے ہوئے رب العالمین فرماتے ہیں:" وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ"[28] مسیحیوں کا ایک گروہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ

مسیحیوں کی طرح اہل اسلام میں بھی کئی گروہ ہیں جن کے آپس میں اعتقادی اختلافات ہیں۔ جیسے اہل سنت، معتزلہ، خوارج، روافض، قدریہ، جہمیہ وغیرہ کے گروہ ہیں۔ ان گروہوں میں کئی اعتقادی معاملات میں آپس میں رائے کا اختلاف موجود ہے۔ رائے کا یہ اختلاف بعض اوقات اس قدر سنگین ہو جاتا ہے کہ یہ ایک دوسرے پر کفر و نفاق کا فتویٰ لگاتے ہوئے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ البتہ بعض اوقات نفس اعتقاد کو مانتے ہوئے صرف اس کی تعبیر کا اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے اشاعرہ، ماتریدیہ اور اہل ظاہر کا اختلاف ہے۔ اس تعبیری اختلاف کی بنیاد سے کسی کو اس دین سے خارج قرار نہیں دیا جاتا۔ مسیحیوں میں عقیدہ تثلیث کی تعبیر میں اختلاف بھی اسی نوعیت کا ہے۔ ان میں بھی اس جزوی اختلاف کی بنیاد پر کسی مسیحی کو دین مسیح سے خارج قرار نہیں دیا جاتا البتہ ان میں گروہی اختلاف ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ سب امور رائے کے اختلاف سے متعلق ہیں البتہ یہ مسئلہ الگ ہے کہ کون سی رائے درست ہے یا کون سی حق ہے اور کون سی رائے غلط اور ناحق ہے؟

4.3. فقہی معاملات میں رائے کا اختلاف

فقہی معاملات میں رائے کا اختلاف احکام و مسائل سے متعلق ہوتا ہے۔ اہل سنت کے چار بڑے مسالک حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ ہیں۔ ان کا آپس میں کئی مسائل میں فقہی اختلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی مسلک کے افراد کا باہمی اختلاف بھی موجود ہے۔ لیکن یہ فقہی اختلاف حق و باطل سے متعلق نہیں بلکہ خطا و صواب یا اولیٰ و غیر اولیٰ کی قبیل سے ہے۔ اس کی وجہ ان کے ہاں دلیل کی قبولیت کے معیارات کا مختلف ہونا اور دلیل کے فہم کا اختلاف بھی ہے۔ لیکن اس اختلاف کی وجہ سے کسی کو بھی دائرہ اسلام یا اہل سنت سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا[29]۔

5. دنیاوی امور میں اختلاف کی حدود

دینی معاملات کی طرح دنیاوی امور میں بھی اختلاف کے کچھ دائرہ کار ہیں۔ ان معاملات میں غور کیا جائے تو اس اختلاف کی عموماً درج ذیل اقسام بنتی ہیں۔

۱۔ غلط یا درست کا اختلاف ۲۔ بہتر کے انتخاب میں اختلاف ۳۔ معاملات میں اختلاف ۴۔ سیاسی اختلاف

درج بالا کے علاوہ بھی اختلافِ رائے کی اقسام ہیں۔ یہ امور عام طور پر انسانی زندگی کا حصہ ہیں اور انسان کا ان سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اختصار کی غرض سے یہاں ان کی تفصیل ذکر نہیں کی جائے گی۔

6. اختلافِ رائے کے آداب

کسی بھی معاملے میں انسان کو دوسرے سے اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ البتہ دین اسلام دوسروں سے اختلافِ رائے کرنے کے کچھ آداب ہمیں بتاتا ہے۔ ان آداب کو ملحوظِ خاطر رکھنے سے بعض اوقات اختلافِ رائے ختم بھی ہو سکتا اور کئی معاملات میں اگرچہ اختلافِ رائے ختم تو نہیں ہو سکتا لیکن اس سے دوسروں کی رائے کو برداشت کرنے یا ان کو معاشرے میں اپنی رائے کے اختلاف کے باوجود رہنے کا حق دیا جاسکتا ہے۔ نیز اس سے رائے کے اختلاف کے باوجود جھگڑے اور فساد سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ یہ آداب درج ذیل ہیں۔

6.1. رائے کا اختلاف کرتے ہوئے اچھے طریقے کو اختیار کیا جائے

ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ رائے کا اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر رائے کا اختلاف پیش کرتے ہوئے بہترین انداز کا انتخاب کیا جائے تو اس سے نا صرف انسان کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس سے دوسرے انسان میں آپ کی بات سننے اور اس کو اچھے انداز سے سمجھنے کی بھی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"[30] دوسری جگہ فرمایا:"وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"[31] ان دونوں آیات میں مجادلہ کے لیے اچھے طریقے کے چناو کا حکم دیا گیا ہے اور مجادلہ کا ایک اہم پہلو اختلافِ رائے بھی ہے۔ گویا کہ اختلافِ رائے میں بھی اچھے طریقہ کو اختیار کرنا چاہیے۔

6.2. اختلافِ رائے پر برائی نہ کریں

اگر کوئی انسان کسی دوسرے بندے سے رائے کا اختلاف اس قدر شدید رکھتا ہو کہ وہ آپ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار بھی بن جائے تو بھی اس کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اس کے سامنے اس کے دین کی برائی نہ کی جائے۔ اس کے سامنے اس کے دین کو برا بھلا نہ کہا جائے اگرچہ آپ اس کو کس قدر ہی ناپسند کرتے ہوں۔ اگر اس کے سامنے اس کے دین کو برا بھلا کہا جائے گا تو وہ بدلے میں صرف دشمنی، حقیقت کو جانے بغیر محض غصہ نکالتے ہوئے آپ کے درست دین اور درست رائے کو بھی غلط کہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ"[32]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات بتائی ہے کہ دوسرے دین کے ماننے والوں کے سامنے ان کے جھوٹے معبودوں (جو ان کی رائے میں ان کے معبود برحق ہیں) کو برا بھلا نہ کہو ورنہ وہ تمہارے سچے معبود اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہیں گے۔

6.3. اختلافِ رائے کرتے ہوئے نرم لہجے میں بات کی جائے

دنیاوی مقام و مرتبے یا منصب کے اعتبار سے کوئی بھی بڑے سے بڑا یا چھوٹے سے چھوٹا آدمی ہی کیوں نہ ہو جب اس کے ساتھ کسی بھی معاملہ میں رائے کا اختلاف کرنا ہو تو اپنی رائے نرمی سے پیش کرنی چاہیے۔ اپنی رائے کو پیش کرتے ہوئے سخت گیری سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ اس سے بگاڑ کا خدشہ ہوتا ہے۔ فرعون کی اپنے غرور اور گھمنڈ کی بنا پر ایک رائے تھی جس کی بنیاد

پر اس نے سرکشی کی انتہاء کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے "انا ربکم الاعلی" کا دعویٰ کیا تھا۔ فرعون کی اس سرکشی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے جب رب العالمین نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جا کر اپنی رائے پیش کرنے کا حکم دیا تو ان سے فرمایا: "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا" [33] مزید براں جب کسی چیز میں نرمی اور لچک ہو تو وہ اس چیز کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیتی ہے۔ اس لیے رائے پیش کرتے ہوئے نرمی کے پہلو کو اختیار کرنا چاہیے۔

6.4. رائے پیش کرنے میں تسلسل اور صبر

اگر انسان کی پیش کردہ رائے یا بات منجانب اللہ ہو اور اس کو کفر کے مقابلے میں پیش کیا جائے تو یہ بھی رائے کا اختلاف ہے۔ یہ لوگوں کو طاغوت کی اطاعت کی رائے کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی رائے پیش کرنا ہے جو یقیناً ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ہی پیش کی جا سکتی ہے۔ اگر رائے کا اختلاف اس نوعیت کا ہو تو اس میں تسلسل بھی ہونا چاہیے اور اس کی وجہ سے ہونے والی مخالفت یا پیش آمدہ تکالیف پر صبر بھی کرنا چاہیے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس سے یہی سبق ملتا ہے کہ ایسی رائے پیش کرنے میں تسلسل بھی ہو اور اس کے ردِ عمل میں ملنے والی تکالیف پر صبر بھی کیا جائے۔

6.5. رائے پیش کرنے میں اخلاص اور دیانتداری شامل ہو

جب کسی آدمی سے کوئی مشورہ طلب کیا جاتا تو جس چیز کے بارے مشورہ طلب کیا جاتا ہے اس کے بارے رائے پیش کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ پہلی صورت میں تو انسان مشورہ طلب کرنے والے کی تائید میں اپنی رائے پیش کر دیتا ہے تو اس صورت میں دونوں کی رائے متفق ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت میں انسان مشورہ طلب کرنے والے کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی الگ رائے پیش کرتا ہے۔ جب مستشار (جس سے مشورہ طلب کیا گیا ہے) اپنی الگ رائے پیش کرے تو اس انسان کو اپنی رائے پیش کرتے ہوئے اخلاص اور مکمل دیانتداری کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ" [34] جس سے مشورہ طلب کیا جائے یقیناً وہ امین ہوتا ہے۔

7. اختلافِ رائے کے حل کے طریقے

دین اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض ایسے طریقے ہیں کہ جن کو اختیار کرنے پر بحیثیت مسلم خصوصاً اور بطور انسان عموماً اختلافِ رائے کو حل کیا جا سکتا ہے۔ اگر بالفرض اختلاف ہو بھی تو اس کی وجہ سے ہونے والے ممکنہ گھمبیر نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔ یہ امور درج ذیل ہیں۔

7.1. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصل مانا جائے

بطور مسلم ہمارا یہ ایمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری اور سچے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نبی رحمت سلام اللہ علیہ وصلاتہ ہمارے لیے فیصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی دینی معاملے میں آپ علیہ السلام کا کوئی بھی فرمان اور عمل ہمارے لیے ایسے قانون کی حیثیت رکھتا ہے کہ جس کی

ہم نافرمانی نہیں کر سکتے۔ مزید برآں جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کو دل سے تسلیم نہیں کریں گے اور آپ کے فیصلوں پر کوئی ملال دل میں لائے بغیر ان کو قبول نہیں کریں گے تب تک مومن نہیں ہوسکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا"[35]

جب ایک مومن مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام و مرتبہ کو تسلیم کرلے تو پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ اور آپ علیہ الصلاۃ والتسلیم کے کسی بھی فیصلہ سے روگردانی یا اپنے اختیار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ سورت الاحزاب میں ارشاد فرماتے ہیں: "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ"[36]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں یہ بات ممکن تھی کہ وہ اپنے معاملات میں رائے کے اختلاف کو آپ سلام اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حل کروالیتے تھے۔ آج کے دور میں جبکہ اتنا عرصہ گزر چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم میں موجود نہیں ہیں تو ہم ان آیات پر عمل پیرا ہو کر اپنے اختلافات کو کیسے حل کر سکتے ہیں؟ اس کا آسان حل یہ ہے کہ جس معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اس کے بارے اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم یا سنت کو تلاش کیا جائے۔ جب کوئی فرمان الٰہی یا سنت رسول مل جائے تو باہمی اختلافِ رائے کو چھوڑ کر اس حکمِ ربی یا سنت رسول پر عمل کیا جائے۔ اس طرح ہمارے بہت سے باہمی مسائل حل ہو جائیں گے اور اختلافِ رائے بھی ختم ہو جائے گا۔

7.2. گواہوں کے ذریعے

بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں کسی جرم کے بارے اختلافِ رائے ہو جاتا ہے۔ اس میں عموماً مدعی اور مدعی علیہ کی رائے کا اختلاف ہوتا ہے۔ ان معاملات کا تعلق اکثر فوجداری معاملات سے ہوتا ہے۔ ایسے معاملات میں مدعی سے گواہ طلب کیے جائیں گے اور ان گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا۔ ایسے موقع پر اگرچہ ملزم مدعی کی رائے سے اختلاف کرتا ہے لیکن گواہوں کی وجہ سے اس کی بات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فیصلہ قانون کے مطابق کیا جائے گا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ"[37]

اسی طرح مالی معاملات میں اختلافِ رائے سے بچنے کے لیے گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ"[38] اپنے مردوں میں دو لوگوں کو گواہ بناو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک آدمی اور دو خواتین کو گواہ بناو۔

7.3. تحریر کے ذریعے

مالی معاملات میں لین دین کرتے ہوئے لوگوں میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے۔ اسلام نے اس چیز کا سدباب کرنے کے لیے لوگوں کو اپنے مالی معاملات تحریری شکل میں محفوظ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں حکم دیتے ہوئے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا ہے: "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ"[39] اسی طرح باقی جن امور میں بھی اختلاف کی گنجائش ہو سکتی تھی ان کو لکھنے کی اجازت ہے۔ اس طرح معاملات کو تحریر کرنے سے بھی ان میں اختلافِ رائے سے بچا جا سکتا ہے۔

7.4. قسم کے ذریعے

بعض اوقات کچھ ایسے معاملات پیش آجاتے ہیں کہ جن میں رائے کا اختلاف ہو جاتا ہے لیکن اس رائے کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے کوئی گواہ یا کسی قسم کی تحریر موجود نہیں ہوتی۔ ایسے معاملات میں اگر رائے کے اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ اس کی سنگینی کسی فرد کی جان لینے یا معاشرے میں ختم نہ ہونے والے فساد کے آغاز کی صورت میں سامنے آسکتا ہے۔ ایسے حساس معاملات میں اختلافِ رائے کے حل کے لیے فریقین سے مخصوص انداز میں قسم لی جائے گی تاکہ معاملے کو حل کیا جا سکے۔ شریعتِ اسلامیہ میں ایسے معاملات کے حل کے لیے لعان اور قسامہ کے مسائل کو بطور مثال لیا جا سکتا ہے۔ لعان کے بارے احکامات سورۃ النور کے پہلے رکوع میں موجود ہیں جبکہ قسامہ کے احکامات کئی کتب احادیث میں "کتاب القسامہ" کے نام سے موجود ہیں۔ جیسا کہ سنن النسائی اور موطا امام مالک میں اس نام کی کتابیں اور صحیح البخاری میں قسامہ کا باب موجود ہے۔

7.5. کسی بندے کو فیصل مقرر کرتے ہوئے

اختلافِ رائے کی وجہ سے کبھی کبھی معاملات اس قدر بگڑ جاتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان دوری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ دوری کبھی میاں بیوی تو کبھی دو فریقین کے درمیان بڑھتی ہے۔ اگر بڑھنے والی دوری کا تعلق خاوند اور بیوی کے درمیان ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں طرف سے ایک ایک حکم (فیصلہ کرنے والا) مقرر کرنے کا حکم دیا ہے جو ان دونوں کی بات سن کر ان کا فیصلہ کرتے ہوئے ان کے اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللهُ بَيْنَهُمَا"[40]

اگر اس اختلافِ رائے کی وجہ سے جھگڑا دو گروہوں کے درمیان ہو جائے اور غلطی کی اصلاح کرنے کی بجائے ان میں لڑائی طول پکڑنے لگے تو ایسی صورت میں دیگر افراد کو ان میں صلح کروانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

رب العالمین کا فرمان ہے:" وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا"[41] اس کی عملی تصویر ہمیں جنگ صفین میں بھی نظر آتی ہے کہ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو حکم (فیصل) مقرر کیا گیا تھا۔

7.6. مفاد عامہ کی خاطر اپنی رائے کو چھوڑتے ہوئے

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے عہدے اور مرتبے کے اعتبار سے معاشرے میں ایک نمایاں مقام کا حامل فرد ہوتا ہے۔ اس مقام کی وجہ سے اس کی رائے کی بھی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ لیکن ایسے فرد کی رائے بھی کبھی کبھی ظاہری طور پر دنیاوی نقصان کا باعث ہو سکتی ہے کیونکہ اس آدمی کو اس معاملے کا مکمل ادراک نہیں ہوتا۔ جیسے تابیر نخل کے معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے تھی کہ پھل کے حصول کے لیے وہ خاص طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ جب لوگوں نے ایسا کیا تو پھل کم ہوا[42]۔ اگرچہ نبی رحمت علیہ الصلاۃ والسلام کا بہت بلند مقام ہے اور آپ کی رائے سے اختلاف گویا شریعت سے اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود جب یہ معاملہ آپ علیہ السلام کے سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی پیداوار کے طریقے سے عدم واقفیت کی بنا پر نا صرف اپنی رائے سے رجوع فرمالیا بلکہ ایک طرح سے اس کی مخالفت کی اجازت بھی مراحمت فرمائی[43]۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مقام و مرتبہ پر فائز انسان کی رائے سے مفاد عامہ پر زد آتی ہو تو ایسے شخص کو اپنی رائے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور معاشرے کے مفاد کی خاطر اپنی رائے کو چھوڑ دینا چاہیے تاکہ معاشرے کی بہتری کا کام کیا جاسکے۔

8. اختلافِ رائے اور ہمارے سماجی رویے

اگر معاشرے میں بغور نظر دوڑائی جائے تو ہمیں معاشرے میں بہت سے امور میں اختلافِ رائے ملتا ہے۔ لیکن اس اختلافِ رائے کی بنیاد پر بعض اوقات لوگ دوسرے کو برداشت نہیں کرتے۔ اس اختلافِ رائے کی بنیاد پر نا صرف کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں، دل میں عناد رکھا جاتا ہے اور موقعہ ملنے پر کبھی قتل تک کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ 4 نومبر 2020ء کو خوشاب کے علاقے قائد آباد میں ایک واقعہ پیش آیا جس میں ایک بینک مینجر کو سکیورٹی گارڈ نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ کو کئی ملکی و غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے ذکر کیا۔ بی بی سی نے اس واقعہ کی وجہ ذاتی عناد کو قرار دیا[44]۔ اسی طرح کئی سیاسی جماعتیں بعض معمولی اختلاف کو اس قدر بڑھا چڑھا کر ذکر کرتے ہیں کہ لوگ اس کو سچ سمجھتے ہوئے اس پر جھگڑے شروع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل کے بعض سیاسی جماعتوں کے کارکنان الیکشن اور اقتدار کے معاملات کو لے کر کر رہے ہیں۔ بعض لوگ مسلک کی بنیاد پر جو اختلافِ رائے ہو جاتا ہے اس کو بنیاد بنا کر آپس کی رشتہ داری اور شادی بیاہ تک سے گریز کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ایک میرج سنٹر میں شادی کے خواہشمند افراد کے لیے اس سنٹر کی طرف سے ابتدائی کوائف کے فارم دیکھنے سے یہ بات سامنے آئی کہ کئی لوگوں نے یہ شرط لکھ رکھی تھی کہ رشتہ فلاں مسلک کے خاندان میں ہی کیا جائے۔ اسی رائے کے اختلاف کی وجہ سے جائیداد کی تقسیم یا کسی اور معاملہ پر بھائیوں میں باہمی ناراضی بھی ہو جاتی ہے اور کبھی ناچاقی قتل تک پہنچا دیتی ہے۔ آدم علیہ

السلام کے دو بیٹوں کا قصہ جو سورت المائدۃ میں مذکور ہے اس کو بھی بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ اس طرح کے اور کئی معاملات بھی ہیں جن میں اختلافِ رائے میں بہت شدت پائی جاتی ہے لیکن یہاں ان کو بطور مثال ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

9. تجاویز وسفارشات

* جن لوگوں میں اختلافِ رائے ہو اس کو دور یا حل کرنے کے لیے انہیں آپس میں بیٹھ کر اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور بقدر ضرورت کسی دوسرے کو فیصل مقرر کرنا پڑے تو بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرنا چاہیے۔
* اختلافِ رائے کا تعلق اگر کفر و ایمان / مذہب سے متعلق ہو تو اس کے لیے عقلی و نقلی کے ساتھ آفاقی دلائل کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لیا جائے کہ کون سا دین درست ہے اور کس مذہب کی تعلیمات دنیا و آخرت میں مفید ہیں؟
* اگر کسی مذہب کے اندر اعتقادی معاملات میں اختلاف ہو تو اس کے لیے اس مذہب کی بنیادی تعلیمات کو دیکھا جائے۔ جس کی بات بنیادی تعلیمات کے موافق ہے اور دلیل صحیح سے اس کا ثبوت بھی ہو تو اس پر جھگڑا ختم کر لینا چاہیے۔
* اگر اختلافِ رائے کی نوعیت فقہی مسائل سے متعلق ہو تو اس کے لیے صحیح دلیل کی بنیاد پر جس کی بات شارح کی تعلیمات کے اقرب ہو اسکی بات تسلیم کر لی جائے۔ لیکن صحیح دلیل کی بنیاد پر جس معاملے میں گنجائش ہو اس میں وسعت کو اختیار کیا جائے اور کسی ایک بات / رائے پر اصرار نہ کیا جائے۔
* اگر کسی دنیاوی امر میں اختلافِ رائے ہو جائے تو آئین و دستور اور قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے البتہ اس میں مفاد عامہ اور لوگوں کی آسانی کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔
* علمی و عوامی سطح پر کم سے کم اختلاف رائے ہونے کے متعلق بات چیت اور گفتگو ہونی چاہیے تا کہ معاشرے میں پیدا ہونے والی کشیدگی اور ہیجان کی کیفیت کو کم کرنے میں مدد مل سکے۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا بحث کا حاصل کلام یہ ہے کہ اختلافِ رائے کا مطلب "رائے، گمان، مشورہ اور تجویز وغیرہ" کا باہمی فرق ہے۔ اس کی دو بنیادی اقسام دینی و دنیوی بنتی ہیں۔ دینی معاملات میں اگر اختلافِ رائے کفر و ایمان کے درجہ کی ہو تو اس صورت میں ایمان والی رائے کو ترجیح دی جائے گی اور اس کو ہی قبول کیا جانا چاہیے۔ اگر رائے کے اختلاف کی نوعیت کسی اعتقادی یا فقہی نوعیت کے مسئلہ سے ہو تو اس میں اگر حکم الٰہی یا اطاعتِ رسول پر زد پڑتی ہو تو ایسی رائے کو رد کیا جائے گا۔ لیکن اگر دلیل صحیح کی بنیاد پر کسی مسئلہ میں گنجائش ہو تو اس صورت میں اس گنجائش کی وجہ سے دوسرے کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔ اپنی بات پر اس قدر سخت نہیں ہونا چاہیے کہ دوسرے کے لیے دلیل صحیح کے باوجود گنجائش ہی نہ چھوڑی جائے۔ اس طرح دنیاداری کے کسی معاملہ کے متعلق اختلافِ رائے کی چار صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت میں درست، دوسری صورت میں دلائل کی بنیاد پر بہتر، تیسری صورت میں قرائن کی بنیاد پر صحیح اور چوتھی صورت میں ذاتی خواہش کی بجائے ملک و ملت کے مفاد میں بہتر رائے کو اختیار کرتے ہوئے رائے کے اختلاف سے بچا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد اختلاف رائے پیش کرنے کے آداب "احسن طریقے کا

انتخاب، دوسرے کی برائی نہ کرنا، نرم لہجہ اختیار کرنا، رائے پیش کرنے میں تسلسل، صبر، اخلاص اور دیانتداری" کو ذکر کیا گیا ہے۔ مزید براں اختلافِ رائے کے حل کے طریقوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصل بنانا، گواہ پیش کرنا، تحریر پیش کرنا، قسم لینا، کسی کو فیصل مقرر کرنا اور مفاد عامہ کی خاطر اپنی رائے کو چھوڑ دینا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کو ذکر کرتے ہوئے ہمارے سماجی رویوں میں سے چند کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم جتنی بھی کوشش کریں اختلافِ رائے کو بالکل ختم تو نہیں کر سکتے البتہ اس میں کمی لانے اور اس کے ممکنہ نقصانات کو کم کرنے کی سعی ضرور کر سکتے ہیں۔ یہ مقالہ بھی اسی سلسلے میں ایک ادنیٰ سی کاوش ہے۔ ھٰذا ما عندنا و اللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

[1] کیرانوی، وحید الزمان قاسمی، مولانا، **القاموس الوحید**، (لاہور، ادارہ اسلامیات، 2001ء)، ص467۔

Kayrānwī, Waḥīd al-Zamān Qāsmī, Mawlānā, al-Qāmūs al-Waḥīd, (Lahore, Idārah Islamiyat, 2001AD), pg. 467

[2] العلوانی، طٰہٰ جابر فیاض، ڈاکٹر، **اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب**، (لاہور، مکتبۃ الکتاب، س ن)، ص23۔

Al-‘Alwānī, Ṭuāhā Jābir Fayyāḍ, Islam main Ikhtelāf kay Usūl wa Ādāb, (Lahore, Maktabah al-Kitāb), pg. 23

[3] کیرانوی، مولانا، **القاموس الوحید**، ص585، 586۔

Kayrānwī, Al-Qāmūs al-Waḥīd, pg. 585, 586

[4] البقرۃ256:02۔

Al-Baqarah 02: 256

[5] آل عمران159:03۔

Āl-’Imrān 03:159

[6] عبد الرحمٰن کیلانی، مولانا، **تیسیر القرآن**، (لاہور: مکتبۃ السلام، 1433ھ)، 322:1۔

Abdul Reḥmān Kaylānī, Mawlānā, Taysīr al-Qur’ān, (Lahore, Maktabah al-Salām, 1433H), 1:322

[7] الشوریٰ38:42۔

Ash-Shūrā 42:38

[8] صلاح الدین یوسف، حافظ، **تفسیر احسن البیان**، (الریاض: مکتبۃ دارالسلام، 1429ھ)، ص1118۔

Ṣalāā al-Dīn Yūsuf, Ḥāfiz, Tafsīr Aḥsan al-Bayān, (Al-Riyād, Maktabah Dār al-Salām, 1429H), pg. 1118

[9] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر ابو الفداء، الامام، **البدایہ والنہایہ**، (بیروت: دارالفکر، بیروت، ط ن، سن اشاعت 1986ء)، 30:3۔

Ibn Kathīr, Ismā’īl ibn ‘Amar, al-Imām, al-Bidāyah wa al-Nihāyah, (Beirūt, Dar al-Fikr, Beirūt, 1986AD), 3:30

[10] مسلم بن الحجاج القشیری، الامام، **الجامع الصحیح**، المحقق: **محمد فواد عبد الباقی**، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن)، کتاب الفضائل، باب: وجوب امتثال ما قالہ شرعاً، دون ماذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم من معایش الدنیا علی سبیل الرای۔

Muslim ibn Ḥajjāj al-Qushayrī, al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ, al-Muḥaqqiq: Muḥammad Fu'ād Abdul Bāqī, (Bierūt, Dar Iḥyā' al-Turāth al-Arabi), Kitāb al-Fadā'il, Bab Wujūb Imtethāl ma Qālahu Shar'an

[11] تابیر النخل اس عمل کو کہتے ہیں جس میں کھجور کے نر درخت کا بور لے کر کھجور کے مادہ درخت کے خوشوں پر ڈالا جاتا ہے اور ایسا کرنے سے اس کا پھل زیادہ ہوتا ہے۔(راقم)

[12] مبارکپوری، صفی الرحمٰن، مولانا، **الرحیق المختوم (اردو)**، (لاہور: المکتبۃ السلفیۃ، طبع جدید، س ن)، ص288، 289۔

Mubārakpurī, Ṣafī al-Rehmān, Mawlānā. Al-Raḥīq al-Makhtūm (URDU), (Lahore, al-Maktabah al-Salafiyyah), pg. 288, 299

[13] شبلی نعمانی، مولانا، علامہ سید سلیمان ندوی، **سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، (لاہور: ادارہ اسلامیات، 2002ء)، 1:213۔

Shiblī Nu'mānī, Mawlānā, Allāmah Syid Sulaymān Nadwī, Sīrat al-Nabī ﷺ, (Lahore, Idārah Islamiyat, 2002AD), 1:213

[14] مبارکپوری، صفی الرحمٰن، مولانا، **الرحیق المختوم (اردو)**، ص342، 343۔

Al-Raḥīq al-Makhtūm (URDU), pg. 342, 343

[15] البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام، **الجامع الصحیح**، (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، رقم الحدیث 4119۔

Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā'īl, al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ, (Bierūt, Dār Tawq al-Nijāh, 1422H), Ḥadīth no. 4119

[16] التوبۃ 09:80۔

At-Tawbah 09: 80

[17] ایضاً: 84۔

Ibid, 84

[18] البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام، **الجامع الصحیح**، رقم الحدیث 4670۔

Al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ, Ḥadīth no. 4670

[19] التوبۃ 9 0:80۔

At-Tawbah 09: 80

[20] ایضاً: 84۔

Ibid, 84

[21] ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن عمر، امام، **تفسیر ابن کثیر اردو**، مترجم: مولانا محمد صاحب جوناگڑھی، (لاہور: عبد اللہ اکیڈمی، 2008ء)، 2:360۔

Ibn Kathīr, 'Imād al-Din Ismā'īl, Tafsīr ibn Kathīr Urdu, Mutarjim: Mawlānā Muḥammad Sahib Jūnagarhī, (Lahore, Abdullah Academy, 2008AD), 2:360

[22] نوح 71:21 تا 24۔

Nūḥ 71:21 to 24

[23] الرعد 13:40۔

Ar-Ra'd 13: 40

[24] القصص28:56۔

Al-Qaṣaṣṣ 28:56

[25] مریم19:37۔

Maryam 19:37

[26] المآئدۃ05:17۔

Al-Māidah 5:17

[27] ایضا:73۔

Ibid, 73

[28] التوبۃ09:30۔

At-Tawbah 09: 30

[29] دینی معاملات میں رائے کے اختلاف کی حدود کی تقسیم میں بنیادی طور پر مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہ العالیہ کے ایک مضمون "اختلاف رائے کے دائرے، حدود اور آداب" سے معاونت لی گئی ہے جو گوجرانوالہ سے شائع ہونے والے ایک ماہنامہ "الشریعہ" کے اگست 2013ء کے رسالہ میں شائع ہوا تھا۔(راقم)

[30] النحل16:125۔

An-Nahl 16: 125

[31] العنکبوت29:46۔

Al-'Ankabūt 29:46

[32] الانعام06:104۔

AL-An'ām 06:104

[33] طٰہٰ20:44۔

Ṭuāhā 20:44

[34] الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الامام، السنن، (بیروت: دار الغرب العربی، 1998ء)، رقم الحدیث 2369۔

Al-Tirmidhī, Abu 'Isā Muḥammad ibn 'Isā, al-Sunan, (Beirūt, Dār al-Gharb al-'Arabi, 1998AD), Ḥadīth no. 2369

[35] النسآء04:65۔

An-Nisā' 04: 65

[36] الاحزاب33:36۔

Al-Aḥzāb 33: 36

[37] النور24:04۔

An-Nūr 24: 04

[38] البقرۃ02:282۔

Al-Baqarah 02: 282

[39] ایضا۔

Ibid.

[40]النسآء04:35۔

An-Nisā’ 04: 35

[41] الحجرات49:09۔

Al-Ḥujurāt 49: 09

[42] یہ واقعہ صرف بطور مثال یا دلیل ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے نعوذ باللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام میں کوئی کمی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی مقصود نہیں۔ اگر کوئی انسان ایسا سوچے بھی تو اس کا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی کسی بھی غلطی سے محفوظ فرمائے۔ آمین (راقم)

[43]مسلم بن الحجاج القشیری، الامام، **الجامع الصحیح**، کتاب الفضائل، باب: وجوب امتثال ما قالہ شرعًا، دون ماذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم من معایش الدنیا علی سبیل الرای۔

Muslim ibn Ḥajjāj al-Qushayrī, al-Jāmi’ al-Ṣaḥīḥ, al-Muḥaqqiq: Muḥammad Fu’ād Abdul Bāqī, (Bierūt, Dar Iḥyā’ al-Turāth al-Arabi), Kitāb al-Fadā’il, Bab Wujūb Imtethāl ma Qālahu Shar’an.

[44] https://www.bbc.com/urdu/pakistan-54814493 ،(March,03,2023)